امید کی شعاعیں

جو افراد سنجیدگی کے ساتھ یہ چاہتے ہیں کہ پاکستان میں ایک مثالی اسلامی معاشرہ وجود میں آئے، انھیں جو بات سب سے پہلے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے، وہ یہ ہے کہ ہماری قوم میں اس کے لیے خواہش کی کوئی کمی نہیں۔ اصل کمی آمادگی کی ہے اور اس سے بھی زیادہ کمی استعداد کی۔ بیشتر لوگ ان کم سے کم بنیادی اوصاف سے بھی خالی ہیں جن کا ہونا اس کام کے لیے ناگزیر ہے۔ دوسری بات جس پر نگاہ رکھنی چاہیے یہ ہے کہ ہماری قوم کے اندر جتنے بااثر عناصر پائے جاتے ہیں، وہ زیادہ تر بگاڑ کے لیے کام کر رہے ہیں۔ اور جو بگاڑنے میں لگے ہوئے نہیں ہیں، وہ سنوارنے کی فکر سے فارغ ہیں۔ اصلاح و تعمیر کے لیے کوشش کرنے والوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ تیسری بات جس سے غافل نہ رہنا چاہیے، یہ ہے کہ موجودہ دور میں اجتماعی زندگی کو بنانے اور بگاڑنے والی سب سے بڑی طاقت حکومت ہے اور جس جگہ جمہوری نظام رائج ہو، وہاں حکومت کے صحیح یا غلط ہونے کا سارا انحصار اس امر پر ہے کہ عوام الناس صحیح آدمیوں کے ہاتھ میں اقتدار سونپتے ہیں یا غلط آدمیوں کے ہاتھ میں۔ بگاڑ کے لیے کام کرنے والے تمام لوگ کسی دوسرے کام پر اتنی طاقت صرف نہیں کرتے، جتنی اس سلسلے میں عوام کو بہکانے پر صرف کرتے ہیں تاکہ وہ کبھی صحیح انتخاب کرنے کے قابل نہ ہو سکیں۔

یہ تین حقیقتیں مل جل کر ایسا بھیانک منظر پیش کرتی ہیں کہ ایک دفعہ تو اسے دیکھ کر آدمی کا دل بیٹھ جاتا ہے، اور وہ مایوسی کے ہجوم میں سوچنے لگتا ہے: یہاں کچھ بنائے بَن بھی سکے گا یا نہیں؟ لیکن ان کے مقابلے میں چند حقیقتیں اور بھی ہیں جنھیں نگاہ میں رکھنے سے یاس کے بادل چھٹنے لگتے ہیں اور امید کی شعاعیں چمکنی شروع ہو جاتی ہیں۔ پہلی حقیقت یہ ہے کہ ہمارا معاشرہ صرف فاسد عناصر ہی سے بھرا ہوا نہیں ہے بلکہ اس میں کچھ صالح عناصر بھی موجود ہیں، ان کے اندر اصلاح و تعمیر کی صرف خواہش ہی نہیں بلکہ آمادگی و استعداد بھی پائی جاتی ہے۔ اور اگر اس میں کچھ کمی ہے تو وہ تھوڑی سی توجہ اور سعی سے دور کی جاسکتی ہے۔

دوسری حقیقت یہ ہے کہ ہماری قوم بحیثیت مجموعی شر پسند نہیں ہے۔ بے علمی و نادانی کی وجہ سے وہ دھوکہ کھا سکتی ہے اور کھاتی رہی ہے، لیکن وہ اس بگاڑ پر راضی نہیں ہے جو دھوکہ دینے والوں کے ہاتھوں رونما ہوتا ہے۔ اگر حکمت کے ساتھ منظم اور پیہم سعی کی جائے تو یہاں کی رائے عام کو اصلاح پسند طاقتوں کا موئد بنانے میں بالآخر کامیابی ہو کر رہے گی۔ مایوسی صرف اس صورت میں ہو سکتی تھی کہ قوم کا سوادِ اعظم خود ان برائیوں کا طالب ہوتا جو معاشرے میں مفسد طاقتوں کے غلبے سے برپا ہو رہی ہیں۔

تیسری حقیقت یہ ہے کہ بگاڑ کے لیے کام کرنے والوں کو سب کچھ میسر ہے، مگر دو چیزیں میسر نہیں ہیں: ایک سیرت و کردار کی طاقت، دوسری اتحاد و اتفاق۔

آخری اور سب سے اہم حقیقت یہ ہے کہ اقامت دین کا کام اللہ تعالیٰ کا اپنا کام ہے اور اس کے لیے جو لوگ بھی کوشش کریں ان کو اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہوتی ہے بشرطیکہ وہ اخلاص اور صبر کے ساتھ کام کریں اور حکمت سے غافل نہ ہوں۔ ایسے لوگوں کی تعداد خواہ کتنی ہی کم ہو اور ان کے وسائل چاہے کتنے ہی قلیل ہوں، آخرکار اللہ کی تائید ہر کسر پوری کر دیتی ہے۔

مایوس کن ظاہر کے پیچھے امید کا یہ سروسامان ہے جو ڈھارس بندھاتا ہے کہ پاکستان میں ایک مثالی اسلامی معاشرے کا وجود محض ممکن ہی نہیں بلکہ اس کا فائز المرام ہونا بھی متوقع ہے۔ البتہ ضرورت جس چیز کی ہے وہ یہ ہے کہ جو افراد بھی اس کام کی حقیقی خواہش رکھنے والے موجود ہیں، وہ آرزوؤں اور تمناؤں کی منزل سے نکل کر کچھ کرنے کے لیے آگے بڑھیں، اور ان طریقوں سے کام کریں، جو سنت اللہ کے مطابق کامیابی کے لیے مقرر ہیں--- سنت اللہ یہ نہیں ہے کہ آپ بس خرابیوں پر تنقید کرتے رہیں اور وہ محض آپ کی باتوں سے دور ہو جائیں۔ جنگل کا ایک کانٹا اور راستے کا ایک روڑا بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹتا، جب تک آپ ہاتھ پاؤں نہ ہلائیں۔ پھر بھلا معاشرے میں مدتوں کی رچی بسی خرابیاں محض زبان کے پھاگ اڑانے سے کیسے رفع ہو جائیں گی۔

گیہوں کا ایک دانہ بھی کسان کی عرق ریزی کے بغیر پیدا نہیں ہوتا، پھر کیسے امید کی جا سکتی ہے کہ معاشرے میں خیرات و حسنات کی کھیتی بس دعاؤں اور تمناؤں سے لہلہانے لگے گی۔ تنقیدیں کارگر ہوتی ہیں مگر اس وقت جبکہ عالم اسباب میں ہم اپنے کرنے کا کام پورا کر دیں اور پھر اس کے بار آور ہونے کے لیے اللہ سے دعائیں مانگیں۔ فرشتے بلاشبہ اترتے ہیں مگر خود سے لڑنے کے لیے نہیں، بلکہ اہل حق کی مدد کے لیے اترتے ہیں جو خدا کی راہ میں جانیں لڑا رہے ہوں۔ پس جو لوگ بھی عمل کے لیے کوئی آمادگی اپنے اندر رکھتے ہوں، انھیں غلط توقعات اور بے جا امیدوں کو چھوڑ کر ٹھنڈے دل سے اس کام کے تقاضوں کو سمجھنا چاہیے اور خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہیے کہ انھیں یہ کام کرنا ہے، یا صرف بگاڑ پر نوحہ خوانی کرنے اور بناؤ کی آرزوئیں دل میں پالنے پر قناعت کرنی ہے۔ عمل کا فیصلہ جسے بھی کرنا ہو، جوش میں آکر نہیں بلکہ ٹھنڈے دل سے سوچ کر کرنا چاہیے۔۔ وقتی جوش میں یہ طاقت تو ضرور ہے کہ آدمی اٹھے اور سینے پر گولی کھا کر جان دے دے لیکن اس میں یہ طاقت نہیں ہے کہ آدمی کو چار دن بھی کسی ایک برائی سے اجتناب یا ایک بھلائی کے التزام پر قائم رکھ سکے، کجا کہ اس کے بل بوتے پر کوئی شخص عمر بھر ایک مقصد کے پیچھے لگاتار محنت کرتا چلا جائے۔ تعمیری کام صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کا سوچا سمجھا فیصلہ یہ ہو کہ انھیں اپنی عمر عزیز اسی کام میں کھپانی ہے۔ (تحریک اسلامی: کامیابی کی شرائط)